فقہ و اجتہاد

مرنے کا قانونی حق

طبّی اور فقہی پہلو

ڈاکٹر عطاء الرحمن o

نومبر ۲۰۰۰ء کے آخری عشرے میں ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں نے ''رحم دلانہ قتل'' (mercy killing) کے حق کو فرد کی رائے پر چھوڑنے کے لیے منظوری دی ہے اور اس طرح ایک پرانی بحث کو پھر سے چھیڑ دیا ہے۔ قانونی حق کے لیے تو انھوں نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے مگر اس مسئلے کی اخلاقی حیثیت ہی دراصل اس بات کا تعین کرے گی کہ ایک انتہائی مہلک مرض میں مبتلا شخص جس کے بظاہر دن گنے جا چکے ہوں اور طب کے ماہرین کے نزدیک بھی وہ لاعلاج ہو اور بدترین اذیت سے گزر رہا ہو' کیا اس کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ زہر کا انجکشن خود لگائے یا ڈاکٹر سے درخواست کرے کہ اس کو مرنے میں مدد دی جائے اور اس طرح اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دے۔ کیا فرد کو یہ حق حاصل ہے؟ کیا ڈاکٹر اس کی مدد کر سکتا ہے؟ معاشرے کے دوسرے ادارے اس قسم کے حالات میں کیا کردار اپنائیں؟ وہ بنیادی اصول کون سے ہیں جن کو فرد بطور حق استعمال کر سکتا ہے؟ اس کے سیاسی' معاشرتی' معاشی' قانونی اور اخلاقی پہلو کون سے ہیں جو غور طلب ہیں؟

بنیادی طور پر یہ موضوع ''طب اور فقہ اسلامی'' سے متعلق ہے۔ ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ مسئلے کی نوعیت اس وقت کیا ہے؟ ہالینڈ کے ایوان زیریں کی رپورٹ کے حوالے سے ہفت روزہ ٹائم نے لکھا ہے:

بہت پھیلی ہوئی عوامی تائید کی بنیاد پر ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں نے اس امر کی تائید میں ووٹ دیا ہے کہ مرنے کے اس راستے کو قانونی طور پر تسلیم کیا جائے۔ ایمسٹرڈیم کے ۵۵ سالہ ڈاکٹر ہینک مارٹن لین

نے ۲۰ مرتبہ افراد کے مرنے میں مدد کی ہے تاکہ فرد کی زندگی کو طویل کرنے کے بجائے اس کو موت سے ہم

کنار

o میڈیکل سپرنٹنڈنٹ' الخدمت مہاجرین ہسپتال' کوئٹہ

کیا جائے۔ اس کے لیے اس نے ''مہربان موت'' (mercy dying) کے الفاظ استعمال کیے۔ اس نے ''رحم دلانہ قتل'' (mercy killing) کے الفاظ کو پسند نہیں کیا۔ ڈچ پارلیمنٹ میں اکثریت کی طرف سے تائیدی ووٹ اس کے اطمینان کا باعث بنا اور اس نے کہا ہے کہ اب اہم بات یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کیا فیصلہ کرتی ہے۔ ایک اچھے طریقے سے' پابندیوں سے آزاد یا پابندیوں کے ساتھ موت میں مدد کرنا' یا اس کے حصول کی قانونی طور پر کس طرح اجازت دی جائے؟ پارلیمنٹ کے ایوان بالا کو بھی منظوری دینا ہے۔ (۱۱ دسمبر ۲۰۰۰ء)

یہ قانون ایک ڈاکٹر کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ایک ایسے مریض کی زندگی کو ختم کرنے میں مدد دے جو لاعلاج (terminally ill) ہو' شدید درد (unbearable pain) میں مبتلا ہو۔ مریض خودکشی میں مدد طلب کرنے کے بجائے ڈاکٹر سے خودکشی کے لیے مشورہ کرے اور اس مشورے میں ایک دوسرے ڈاکٹر کی رائے بھی شامل ہو۔ مریض ۱۶ سال کا ہو اور اگر اس کی عمر ۱۲ اور ۱۶ کے درمیان ہو تو والدین کی رضامندی لی جائے۔

ڈاکٹر لین کہتے ہیں کہ اس کے بوڑھے مریض اور ایڈز (aids) میں مبتلا مریض جب اس سے یہ بات کہتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میری دانست میں ''میں ایک اچھا کام کرتا ہوں''۔ بقول ڈاکٹر لین: کسی کا قتل اگرچہ ایک غیر فطری اور غیر قدرتی امر ہے اور جس دن میں یہ کام کرتا ہوں وہ بہت بوجھل اور مشکل دن ہوتا ہے۔ مگر دوسرے دن جب میں مرنے والے کے خاندان کے لوگوں کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ بوجھ سے آزاد ہیں' بہت ہلکا محسوس کرتے ہیں اور مطمئن ہیں تو میری تشویش ختم ہو جاتی ہے۔

آرا کے جائزے سے پتا چلتا ہے کہ ملک کے ۹۲ فی صد افراد نے اس قانون کے حق میں اپنی رائے دی۔ ڈاکٹر پیٹر ہیلڈرنگ جو مخالف ڈاکٹروں کی تنظیم کے چیئرمین ہیں' کہتے ہیں کہ ''ضروری ہے کہ ناقابل برداشت درد کے لفظ کے قانونی معنی متعین کیے جائیں۔ طب کی دنیا میں اس لفظ کی تشریح میں بہت اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے اہم مریض نہیں بلکہ وہ ڈاکٹر ہے جس سے یہ کہا جائے گا کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ مریض کو زندہ رہنا چاہیے یا مر جانا چاہیے۔ جب کہ ڈاکٹر لین کہتے ہیں کہ نیدرلینڈ میں ''موت کی طلب'' پچھلے ۱۰ سالوں میں کم ہوئی ہے کیونکہ ایڈز کے علاج میں بہتری آئی ہے۔ ان کی رائے میں ''ناقابل برداشت درد' کا فیصلہ مریض کر سکتا ہے' ڈاکٹر نہیں۔

فیلکو فرنیڈ ہوف کا بھائی سینڈر جو پانچ سال سے ایڈز کی بیماری میں مبتلا تھا' اس کی موت سے پہلے سارے رشتے دار اکٹھے ہوئے' سینڈر سے ملے اور اس کے بعد جب سب چلے گئے تو فیلکو ڈاکٹر لین کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور اس کے بھائی کو زہر کا انجکشن لگا دیا گیا۔ فیلکو کہتا ہے کہ غم تو بہت ہوا مگر اس کے ساتھ یہ آرام ملا کہ تکالیف کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے برعکس ایک مریض (جس برٹ) جو ایڈز کے مرض میں مبتلا تھا' تین سال بعد اس وقت فوت ہوا جب صرف اس کی والدہ اس کے ساتھ موجود تھیں۔ فیلکو کہتا ہے کہ میرے لیے یہ احساس بڑا تکلیف دہ تھا کہ جس برٹ اپنی زندگی کے آخری مرحلوں میں بہت زیادہ تنہا تھا۔ ان دو مریضوں کے حالات سے ہر فرد ان دو طرح کی موت کا فرق محسوس کرسکتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس قابل ہونا چاہیے کہ ''ناممکن بقا'' کا مسئلہ درپیش ہو تو خود فیصلہ کرسکیں۔ (ٹائمز انٹرنیشنل' ۱۱ دسمبر ۲۰۰۰ء)

موت کے حق (euthanasia) کے سلسلے میں آسٹریلیا نے جولائی ۱۹۹۶ء میں دنیا کی پہلی مملکت کی حیثیت سے ''رضا کارانہ مہربان موت'' یا قتل کو قانونی طور پر جائز قرار دیا۔ ذہنی طور پر بیدار فرد جو مرض الموت میں مبتلا ہو' کسی ڈاکٹر سے زندگی کو ختم کرنے کے لیے امداد طلب کرسکتا ہے' بمطابق Right of Terminally ill Act --- عملی طور پر اس قانون کے خلاف مارچ ۱۹۹۷ء میں اپیل کی گئی۔ چار افراد نے قانون کے تحت اپنی زندگیوں کا خاتمہ کیا۔ پروسٹیٹ (prostate) کے سرطان میں مبتلا ۶۶ سالہ باب پہلا آدمی تھا جس نے قانونی طور پر آسٹریلیا میں زندگی کا خاتمہ چاہا--- سوئٹزرلینڈ میں یہ غیر قانونی ہے مگر کسی کی مدد کرنے پر کوئی سزا نہیں۔ وہاں ''انسانی موت کی سوسائٹی'' کے نام سے تنظیم قائم ہے جو اس معاملے میں قانونی مدد فراہم کرتی ہے۔ عملی طور پر سالانہ ۱۰۰ سے ۱۲۰ کی تعداد میں افراد اس طرح مدد لے کر موت کو اختیار کرتے ہیں۔ (ایضاً)

ریاست کولمبیا میں ۱۹۹۷ء میں عدالت نے فیصلہ کیا ہے کہ اس فرد کو فوجداری مجرم قرار دے کر گرفتار نہیں کیا جائے گا جو انتہائی بیمار شخص کی موت میں مددگار بنے۔ ایسی اموات کی شرح کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ نے ۱۹۹۷ء میں فیصلہ کیا کہ کسی کی خودکشی میں مدد کرنے والے ڈاکٹر کا فعل دستوری مسئلہ ہے۔ اس لیے ۴۳ ریاستوں نے اس فعل کو غیر قانونی قرار دیا۔ چھ ریاستوں میں کوئی قانون سرے سے نہیں ہے۔ سوائے اوریگان کے جہاں اسے قانونی جواز دیا گیا ہے۔ Death with Dignity Act 1997 کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ مریض انتہائی درجے سے متعلق ہو اور زہر کا انجکشن وہ خود اپنے آپ کو لگائے گا۔ ۲۷ افراد نے ۱۹۹۹ء میں خود کو قانونی راستے سے موت کے حوالے کیا۔ (ایضاً)

اس موضوع سے متعلق دوسرے پہلو بھی ہیں کہ ایسے بے ہوش مریض کے بارے میں کیسے فیصلہ کیا جائے جس کی دماغی موت (brain death) واقع ہوگئی ہو مگر آلات کے ذریعے اس کا تنفس برقرار رکھا گیا ہو اور وہ زندہ ہو؟ یا ایسے مریض کا کیا کیا جائے جس کے لیے ڈاکٹر متفقہ طور پر اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ دوا، خون دے کر یا آپریشن کر کے اس کی زندگی بچائی جاسکتی ہے مگر وہ مریض اس بات کی اجازت نہ دیتا ہو؟ کیا مریض کی مرضی کے خلاف علاج کر کے اس کی زندگی بچانے کی کوشش کی جانی چاہیے؟ اس کی قانونی حیثیت کیا ہوگی؟ یہ اور اسی طرح کے مختلف سوالات ہیں جن کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔

ایک فرد جو سمجھتا بوجھتا ہو اور ناقابل برداشت درد میں اور ایسی بیماری سے ہم کنار ہو جو لاعلاج ہو اور آخری مرحلوں کی بیماری ہو، کیا اس کو اپنی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیے؟ اور کیا اس کو یہ قانونی اجازت ملنی چاہیے کہ وہ خود کو موت کے گھاٹ اتار دے؟ کیا کسی ڈاکٹر یا رشتے دار یا معاشرے کے کسی ادارے کو یہ اجازت حاصل ہو کہ مرنے میں وہ اس کی مدد کرے؟ یہ سوال کی ایک صورت ہے جس پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ اگر ڈاکٹر اس سلسلے میں مدد نہ کرے تو اس کے انکار کی قانونی حیثیت کیا ہونی چاہیے؟ اور اس انکار کی صورت میں وہ دوسرے ڈاکٹر کی طرف اس مریض کو کس طرح بھیجے گا؟ مریض کی عمر کتنی ہو جب اس کی مرضی کے مطابق اس کی موت میں مدد کی جائے؟ بصورت دیگر وہ کون سے رشتے دار ہیں جو اس کی مدد کر سکتے ہیں؟ ناقابل برداشت درد کا مطلب کیا ہے؟ اسے کون متعین کرے گا اور ناقابل علاج مرض سے کیا مراد ہوگی؟

ایسے سوالات پر ان غیر مسلم ممالک میں زور و شور سے بحث ہو رہی ہے جن کے سامنے اس بات کی بنیادی طور پر کوئی اہمیت نہیں کہ انسان، کائنات اور اللہ تعالیٰ کا باہمی تعلق کیا ہے اور ان کے حقوق کیا ہیں اور اس ضمن میں انسانی جان کی اہمیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں کسی انسان کو کوئی فیصلہ کرنے کی کتنی حیثیت اور اختیار حاصل ہے؟ فی الواقع اس کو کوئی اختیار حاصل بھی ہونا چاہیے یا نہیں۔ اور اگر ہو تو کیوں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور موجودہ دور میں انسان کو اگر کسی وجہ سے بھی اپنی زندگی کے ختم ہونے کا ادراک حاصل ہو جائے، جو ممکن نہیں، تب بھی کیا اس کو فطرت کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے یا اپنی مرضی سے اس کرب ناک زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لیے براہِ راست خود یا کسی کی مدد حاصل کر کے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دینا چاہیے؟ اس طرح کے بہت سے سوالات کو میں نے چند حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے یہاں صرف ایک پہلو سے بحث کی جا رہی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ایک فرد جو ہوش و حواس میں ہے (fully oriented)، ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہے (terminally ill)، ناقابل برداشت درد (un bearable pain) میں ایک کرب ناک صورت حال

سے دوچار ہے اور اس کے رشتے دار' تیماردار بھی سخت قسم کے مستقل اعصابی کھچاؤ میں مبتلا ہیں---

(۱) کیا وہ خود اپنی زندگی کا خاتمہ کرسکتا ہے؟

(۲) کیا اس کے رشتے دار اس کی زندگی کے خاتمے کے لیے درخواست کر سکتے ہیں جس میں اس کی مرضی بھی شامل ہو؟

(۳) کیا کوئی ڈاکٹر اس سلسلے میں اس کی موت میں مدد کرسکتا ہے؟

اس ضمن میں مغربی ممالک میں ہونے والی بحث اور ان کے سوالات اور قوانین کو میں نے اختصار سے ابتدا میں بیان کر دیا ہے۔

کلیسا کا جواب

اس مسئلے پر کلیسا نے کیا رویہ اختیار کیا؟ اس بارے میں Pope Pius XII کی ۱۹۵۷ء کی ایک تقریر ہے جس میں انھوں نے زندگی کے بچاؤ اور اس کو طویل کرنے والے ''معمولی'' اور ''غیر معمولی'' ذرائع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہا:

When inevitable death is imminent in spirit of the means used, it is permitted in Conseience to take the decision to refuse forms of treatment that would only secure a precarious and burden some prolongation of life.

جب ایک موت واقع ہو رہی ہو اور یقینی ہو اور تمام ذرائع علاج کے استعمال کے باوجود یہ صورت ہو تو ضمیر اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اس علاج سے انکار کر دیا جائے جو صرف کرب ناک اور بوجھ والی زندگی کی طوالت کا باعث ہو۔(Biomedical ethical issues' ص ۷۸)

اس بات سے کیتھولک چرچ کے افراد نے اختلاف کیا ہے اور ان کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اخلاقی اور مذہبی راہبری برائے کیتھولک ذرائع صحت (۱۹۷۱ء) کی ایک رپورٹ میں وہ لکھتے ہیں:

Directly intended termination of any patient's life, even at his own request is always morally wrong.

براہِ راست نیت کر کے کسی مریض کی زندگی کا خاتمہ خواہ مریض خود درخواست کرے ہمیشہ اخلاقی طور پر غلط رہا ہے۔ (Biomedical ethical issue, 1984' ص ۷۹)

اس مسئلے پر کہ کسی مریض کی زندگی کا خاتمہ اس کی درخواست پر کیا جائے' مسئلے کا ایک پہلو ہے جس پر دو مختلف آرا سامنے آتی ہیں' اور اس ضمن میں پوپ کی بات سے ایک دوسرا سوال اُبھرتا ہے کہ کیا مریض علاج

روک دے' کیا وہ علاج کو روک سکتا ہے؟ کیا وہ اس علاج کرنے سے ہاتھ کھینچ لے جو اس کی تکلیف میں تو کمی نہیں کرتا مگر اس کی زندگی میں اضافہ کا باعث ہے؟

اسلام کا جواب

ایک مریض جو ہوش وحواس میں ہو اور نا قابل علاج مرض میں مبتلا ہو اور نا قابل برداشت درد سے ہم کنار ہو' کیا اس کو اپنی زندگی ختم کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ یا کوئی ڈاکٹر اس کی مدد کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں اسلام کا جواب نفی میں ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- زندگی کا بچانا فرض ھے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢبِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدہ ۵:۳۲) ''ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا (کتب بمعنی فرض کرنے کے ہیں) کہ اگر کسی کو قتل کیا' بغیر کسی قتل نفس کے جرم کے یا زمین میں فساد کے جرم کے' پس وہ ایسا ہے جیسے سارے انسانوں کو قتل کر دے اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچائی وہ ایسا ہے جیسے سارے انسانوں کی زندگی بچا لے''۔ زندگی کی اہمیت کا اندازہ خود اس بیان سے ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کی کیا اہمیت ہے۔ پھر اس کو بچانے کی کیا اہمیت ہے اور دوسرے کی زندگی کو بچانا جب اس قدر ضروری ہے تو پھر اپنی زندگی کی قیمت کا اندازہ کیجیے۔

۲- زندگی بچانے کے لیے اضطرار میں حرام کا استعمال: زندگی بچانے کے لیے چار حرام کردہ چیزوں کو یعنی ۱- المیتۃ (مردار)' ۲- دم مسفوحًا (بہتا ہوا خون)' ۳- لحم الخنزیر (سؤر کا گوشت)' ۴- وما اھل بہ لغیر اللّٰہ (غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو)' جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے کھانے کی اجازت دی گئی ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وہ شرط یہ ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ ۲:۱۷۳) ''ہاں' جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے' تو اس پر کچھ گناہ نہیں''۔ گویا یہ مضطر کے لیے جائز ہے بلکہ ایسے موقع پر حرام کا نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے جو حرام سے شدید تر ہے۔ (تفسیر کبیر' قرطبی' روح المعانی' البحر المحیط۔ تفسیر ماجدی' تفسیر زیر آیت' سورہ البقرہ ۲:۱۷۳)

جان جانے کی مختلف صورتیں ہیں: ۱- مرض' ۲- بھوک' ۳- حرام کھانے پر کوئی مجبور کر رہا ہو اور جان جانے کا خطرہ ہو۔ مجبوری کے ختم ہونے تک اس کی اجازت ہے۔ ''اضطر اضطراراً'' ضرورت سے مشتق ہے اور اس کے باب افتعال سے مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جا سکتا ہے (ایضاً)۔ بھوک کی شدت' ناداری اور افلاس کے باعث' مرض کی بنا پر وہ حرام نہ کھائے تو یقینی طور پر

مارا جائے گا۔ ان صورتوں میں حرام کھانا واجب ہے۔ یعنی اگر نہ کھائے اور مر جائے تو حرام موت مرے گا۔ اس لیے کہ حفظ نفس اوّلین فرض میں سے ہے (حدائق بخشش (کامل)' مرتبہ: شمس بریلوی' ۱۹۷۶ء' مدینہ پبلشنگ کمپنی' ایم اے جناح روڈ' کراچی)۔ اضطرار سے مراد اضطرار حقیقی ہے نہ کہ تاویلی۔

۳- جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے کی رخصت: اس کا ذکر قرآن میں ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النحل ۱۶:۱۰۶) ''جو اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا بجز اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو' لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے گا تو ان پر اللہ کا غضب اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے''---فرمایا کہ جو لوگ اعداے حق کے شکنجے میں ہیں ان کے لیے اس بات کی تو گنجایش ہے کہ وہ قلباً ایمان پر جمے رہتے ہوئے محض زبان سے کوئی کلمہ ایسا نکال دیں جس سے ان کی جان کے اس مصیبت سے چھوٹ جانے کی توقع ہو۔ (تدبر قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی' ج ۳' تفسیر سورہ نحل' آیت ۱۰۶)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسی آیت کی تشریح میں عزیمت کے زمرے میں حضرت بلال حبشیؓ ' حضرت حبیب بن زیدؓ بن عاصم کا ذکر کرنے کے بعد رخصت کا پہلو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> دوسری طرف عمار بن یاسرؓ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے دے کر شہید کر دیا گیا' پھر ان کو اتنی ناقابل برداشت اذیت دی گئی کہ آخر کار انھوں نے جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ پھر وہ روتے ہوئے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللّٰہ ماترکت حتی سببتک وذکرت الھتھم بخیر ''یارسول اللہ' مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپؐ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا''۔ حضورؐ نے پوچھا: کیف تجد قلبک ''اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو؟'' عرض کیا: مطمئنا بالایمان ''ایمان پر پوری طرح مطمئن''۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: ان عادوا فعد ''اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی باتیں کہہ دینا''۔ (تفہیم القرآن' ج ۲' ص ۵۷۵)

۴- موت کی آرزو کی ممانعت: حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''مرنے کی آرزو نہ کرو' جان کنی کا خوف سخت ہے۔ بے شک نیک نیتی یہ ہے کہ بندے کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی اطاعت نصیب فرمائے''۔ (بخاری' مسلم)

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی موت کی خواہش نہ کرے۔ اگر وہ نیک ہے تو امید ہے جب تک زندہ رہے گا اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا' اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہوسکتا ہے کہ آیندہ زندگی میں وہ توبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے''۔ (بخاری)

۵- اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ (البقرہ ۲:۱۹۵) ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

امام راغب اصفہانی ''تھلکہ'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مایودی الی الھلاک' وہ چیز جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ (مفردات امام راغب' ص ۵۴۵)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھو گے' تو یہ تمھارے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہوگا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تم کفار سے مغلوب اور ذلیل ہو کر رہو گے اور آخرت میں تم سے سخت باز پرس ہوگی۔ (تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۱۵۳)

اسباب موت سے فرار کے احکام کے زمرے میں مفتی محمد شفیعؒ صاحب لکھتے ہیں:

جو چیزیں عادتاً موت کا سبب ہوتی ہیں' ان سے فرار مقتضائے عقل بھی ہے' مقتضائے شرع بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھکی ہوئی دیوار کے نیچے سے گزرے تو تیزی کے ساتھ نکل گئے۔ اس طرح اگر کہیں آگ لگ جائے وہاں سے نہ بھاگنا' عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے۔ (معارف القرآن' ج ۸' ص ۴۳۸)

باقی رہا طاعون یا وبا جس بستی میں آجائے اس سے بھاگنا' یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تفصیلات فقہ و حدیث میں مذکور ہیں' وہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جدید طب نے وبا کے بارے میں حدیث میں بیان شدہ تدابیر کو ہی اختیار کیا ہے کہ جہاں وبا ہو' وہاں داخل نہ ہونا چاہیے اور جو وہاں موجود ہو اس کو وہاں سے نہ نکلنا چاہیے (الحدیث)۔ قرنطینہ کے اصول بھی اسی طرح متعین کیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے پہاڑوں میں بکھرنے کی اجازت دی تھی (یہ ان کا اجتہاد تھا)۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف ہی دوڑتے ہیں۔

۶- خودکشی حرام ھے: (الف) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کرلیا تو وہ دوزخ میں بھی اسی طرح اپنے آپ کو گراتا

رہے گا اور جس کسی نے تیز دھار ہتھیار سے خودکشی کی تو دوزخ میں بھی خود اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ پر وار کرتا رہے گا۔

(ب) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہو ہرگز موت کی آرزو نہ کرے، اور اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا چاہتا ہو تو اس کو ایسے دعا کرنی چاہیے کہ اے خدا مجھ کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میری زندگی میرے لیے مفید ہے اور مجھے موت دے اگر میری موت میرے لیے مفید ہے۔

نسائی کی روایت میں جو قیس بن ابوحازم سے مروی ہے اس طرح مذکور ہے کہ جناب کے پاس گیا تو ان کے پیٹ پر سات داغ دیے گئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اے کاش رسولؐ نے ہم کو موت مانگنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں ضرور موت مانگتا۔ (النسائی، مجموعہ الصحاح، (عربی اردو)، کتاب تمنی الموت، ص ۳۵۲، مکہ پبلشنگ کمپنی، لاہور)

(ج) حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے قوموں میں ایک شخص کو زخم تھا۔ وہ شدت تکلیف سے گھبرا گیا۔ پھر چھری لی اور اس سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی ذات کے معاملے میں میرے فیصلے پر سبقت کی کوشش کی (الحدیث)۔

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کسی شخص کو دنیا میں یہ یقین کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ مرتے ہی جنت میں ضرور جائے گا اور کسی قسم کے عذاب کا اس کو خطرہ نہیں، تو ایسی حالت میں موت کی تمنا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مترادف ہے۔ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۴۳۸)

۷- علاج لازمی ھے: اس ضمن میں گذشتہ صفحات میں دلیل نمبر ۲ میں تفاصیل مذکور ہیں۔ حکم ہے کہ بیماریوں کا علاج کراؤ، اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے سوا سب بیماریوں کا علاج پیدا کیا ہے۔ فرمایا: لکل داء دواء (الحدیث)۔ اس ضمن میں علاج میں ہر حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے اگر جان بچ سکے۔ ملاحظہ فرمائیں دلیل نمبر ۲۔

۸- اذیت اور تکالیف گناھوں کی بخشش کا ذریعہ: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ لا قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o (البقرہ ۲:۱۵۵-۱۵۷) ''اور ہم ضرور تمھیں کچھ خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں

کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمایش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے''، انھیں خوش خبری دے دو۔ اُن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں''۔ یعنی انتہائی درجے کی تکالیف کا ذکر ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت ، جو بھی بیماری، جو بھی پریشانی، جو بھی کڑھن، جو بھی رنج، جو بھی اذیت اور جو بھی غم و اندوہ پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو خدا اس کے سبب اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

۹- حضرت ایوب علیہ السلام کا اسوہ: حضرت ایوبؑ کا اسوہ انھیں جسمانی بیماری کے انتہائی درجے میں مبتلا کر کے صبر کے حوالے سے مثال بنایا گیا ہے۔ اس لیے کہ لاعلاج ہونا اور بے انتہا درد کا ہونا بھی انسان کے لیے آزمایش ہے۔ لہٰذا دیکھا جائے کہ وہ اللہ کی طرف سے موت کی مقررہ گھڑی کا انتظار کرتا ہے یا اپنی مرضی کی طرف بڑھتا ہے اور خود کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہی اصل آزمایش ہے۔ لہٰذا مایوسی کفر ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ (ص ۳۸:۴۱) ''اور ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کرو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے''۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان نے مجھے بیماری میں مبتلا کر دیا ہے اور میرے اوپر مصائب نازل کر دیے ہیں، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیماری کی شدت، مال و دولت کا ضیاع، اور اعزہ و اقربا کے منہ موڑ لینے سے میں جس تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہوں، اُس سے بڑھ کر تکلیف اور عذاب میرے لیے یہ ہے کہ شیطان اپنے وسوسوں سے مجھے تنگ کر رہا ہے، وہ ان حالات میں مجھے اپنے رب سے مایوس کرنے کی کوشش کرتا ہے، مجھے اپنے رب کا ناشکرا بنانا چاہتا ہے، اور اس بات کے درپے ہے کہ میں دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ بیٹھوں۔ حضرت ایوبؑ کی فریاد کا یہ مطلب ہمارے نزدیک دو وجوہ سے قابل ترجیح ہے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو صرف وسوسہ اندازی ہی کی طاقت عطا فرمائی ہے، یہ اختیارات اس کو نہیں دیے ہیں کہ اللہ کی بندگی کرنے والوں کو بیمار کر دے اور انھیں جسمانی اذیتیں دے کر بندگی کی راہ سے ہٹنے پر مجبور کرے۔ دوسرے یہ کہ سورہ انبیا میں جہاں حضرت ایوبؑ اپنی بیماری کی شکایت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں، وہاں شیطان کا کوئی ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ''مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے''۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۴۰)

۱۰- مایوس نہ ہونا اور زندہ رہنے کی کوشش، ایمان کی علامت:

قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ O قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّہٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ O (الحجر ۱۵: ۵۵-۵۶) ''انھوں [فرشتوں] [نے جواب دیا،''ہم تمھیں برحق بشارت دے رہے ہیں، تم مایوس نہ ہو''۔ ابراہیمؑ نے کہا''اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں''۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ ط (الزمر ۳۹: ۵۳) ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ''۔

وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ط اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ O (یوسف ۱۲: ۸۷) ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں''۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ ج وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ کَانَ یَئُوْسًا O (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۳) ''انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اینٹھتا اور پیٹھ موڑ لیتا ہے، اور جب ذرا مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے''۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ط اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ O لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (الحدید ۵۷: ۲۲-۲۳) ''کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں تمھارے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (یعنی نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمھیں ہو، اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمھیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں''۔

صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں:

تم پر کوئی مصیبت بھی معاذ اللہ تمھارے رب کی بے خبری میں نازل نہیں ہو گئی ہے۔ جو کچھ پیش آ رہا ہے، یہ سب اللہ کی طے شدہ اسکیم کے مطابق ہے جو پہلے سے اس کے دفتر میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ اور ان حالات سے تمھیں اس لیے گزارا جا رہا ہے کہ تمھاری تربیت پیش نظر ہے۔ جو کارِعظیم اللہ تعالیٰ تم سے لینا چاہتا ہے اس کے لیے یہ تربیت ضروری ہے۔ اس سے گزارے بغیر تمھیں کامیابی کی منزل پر پہنچا دیا جائے تو تمھاری سیرت میں وہ خامیاں باقی رہ جائیں گی جن کی بدولت نہ تم عظمت و اقتدار کی ثقیل خوراک ہضم کر سکو گے اور نہ باطل کی طوفان خیز موجوں کے تھپیڑے

سہہ سکو گے۔(تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۲۰)

علامہ مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے لکھا ہے:

کیونکہ اس کو علم غیب حاصل ہے اور ہم نے یہ بات اس واسطے بتلا دی ہے تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے (تندرستی یا اولاد یا مال) تم اس پر (اتنا) رنج نہ کرو (جو حق تعالیٰ کی مرضی کے طلب کرنے اور آخرت کے امور میں مشغول ہونے میں رکاوٹ ہو جائے اور طبعی تکلیف کا مضائقہ نہیں)۔ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۱۷-۳۱۸)

تفسیر روح المعانی میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر انسان طبعی طور پر بعض چیزوں سے خوش ہوتا ہے اور بعض سے غمگین۔ لیکن ہونا یہ چاہیے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آئے وہ اس پر صبر کر کے آخرت کا اجر وثواب کمائے، اور جس کو کوئی راحت وخوشی پیش آئے وہ اس پر شکر گزار ہو کر اجر وثواب حاصل کرے۔(ایضاً، ص ۳۱۹)

۱۱- اللہ کے حق میں تعارض نہ کیا جائے: زندگی دینے کا فیصلہ جس نے کیا ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ زندگی کے خاتمے کا فیصلہ کرے۔ یہ حق خالق کا ہے اور اس کے حق میں تعارض (جھگڑنا) اور اس کے فیصلے کے بجائے اپنی مرضی کی پیروی فکری اعتبار سے بہت بڑا جرم ہے اور کائنات کے منصوبہ شدہ نظام سے بغاوت ہے اور منصوبہ بندی کرنے والے کو رب نہ ماننا ہے۔ اس لیے موت کی تمنا، اس کو حاصل کرنے کے حق کا مطالبہ کرنا، اور موت کے لیے کسی سے مدد کرنے کے لیے کہنا، یا موت سے کسی بیمار کو ہم کنار کرنا، علاج سے پرہیز کر کے موت کی طرف بڑھنا، یا کسی کو موت سے بچانے کی آخری کوششوں کو ترک کرنا، یہ تمام حرکات اور فیصلے بنیادی طور پر کافرانہ اور ملحدانہ ذہنیت کی پیداوار ہیں۔ اس لیے جو افراد یا قومیں اپنی موت کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو اس قسم کے کسی فرد یا قوم کے بارے میں کسی کو حیرت نہیں ہونی چاہیے جو پہلے ہی کائنات کے کسی خالق کو نہیں مانتے اور نہ ہی کسی ایسے مقصد کے قائل ہیں جس کے لیے انسان کو زندگی دی گئی ہے اور موت کے بعد کسی زندگی کا وہ تصور ہی نہیں رکھتے۔

اس کے برعکس جو غائبانہ طور پر ربِّ کائنات کو تسلیم کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد قرآنی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ (الملک ۶۷:۱۲) ''جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، یقیناً ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر''۔

اور پھر ان کے نزدیک زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد ہے کہ:

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلاً ط (الملک ۲:۶۷) ''جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے''۔

وہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ کے پیش نظر دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے اخروی زندگی کو حقیقی زندگی تصور کرتے ہیں۔ دنیاداروں کی روش پر قرآن یوں تبصرہ کرتا ہے:

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ہ وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی (الاعلیٰ ۸۷:۱۶-۱۷) ''مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو' حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے''۔

ایسے افراد اور مملکتوں کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ رحم دلانہ موت یا قتل جیسی فضول باتوں پر کسی پہلو سے غور کریں۔ جو فرد بھی اپنی اور کائنات کی تخلیق' مقصد اور انجام کی حقیقت سے آگاہ ہو اور ان رشتوں اور حقوق کو پہچان گیا ہو جو خالق اور مخلوق' اللہ اور بندے کے درمیان پیدا کیے گئے ہیں وہ خالق کے حق میں تعارض سے ہی کانپ اٹھتا ہے۔

۱۲- ایمان کا تقاضا راضی بہ رضا ہونا ہے: اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا' اس کی آزمایشوں پر صبر کرنا' اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنا' بس یہی تین کیفیات ہیں جو دنیاوی زندگی میں جس نے طاری کر لیں وہ کامیاب رہا۔ حدیث قدسی میں آتا ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ یَرۡضٰی بِقَضَائِیۡ وَلَمۡ یَصۡبِرۡ عَلَی الۡبَلَائِیۡ وَلَمۡ یَشۡکُرۡ عَلَی النِّعۡمَائِیۡ فَقُلۡ اُخۡرُجۡ مِنۡ تَحۡتِ السَّمَائِیۡ وَادۡعُوۡا رَبًّا سَوَائِیۡ- جو میری مرضی پر راضی نہ ہوا' جس نے میری آزمایشوں پر صبر نہ کیا' جس نے میری نعمتوں کا شکر نہ کیا' آپؐ کہہ دیجیے' میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے اور میرے علاوہ کسی اور رب کو پکارے۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے: وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (۱۷:۲۳) ''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت (غلامی' بندگی' اطاعت) نہ کرو مگر صرف اس کی''۔ غلامی اور بندگی اور عبادت ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ عملی طور پر پرستش' وفاداری اور اطاعت کا سزاوار وہی ہے۔ اس کے ساتھ فکری طور پر موت اور زندگی کے بارے میں اس کے فیصلے کا انتظار اور اس کی رضا کی طرف دیکھنا ہی عبادت ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمؐ کا یہ معمول تھا کہ ہم میں سے جب بھی کوئی شخص بیمار پڑتا تو آپؐ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور دعا فرماتے:

اَذۡھِبِ الۡبَاۡسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشۡفِ اَنۡتَ الشَّافِیۡ لَاشِفَاءَ اِلاَّشِفَاءُکَ شِفَاءً لَایُغَادِرُ سَقَمًا (بخاری' مسلم) اے انسانوں کے پروردگار' اس مریض کا دکھ دور فرما دے اور اس کو شفا عطا فرما۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ شفا دینا تو تیرا ہی کام ہے' ایسی کامل شفا عطا فرما کہ بیماری کا نام و نشان نہ رہے۔

یہ دعا prolongation of life کے لیے ہی تو ہے۔ اللہ سے زندگی مانگنا دراصل اس کو اپنے سارے معاملات کا ملجا اور ماویٰ تصور کرنا ہے۔ یہی توحید ہے' یہی عبادت ہے۔

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ط اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ہ (المؤمن ۴۰:۶۰) ''تمھارا رب کہتا ہے' ''مجھے پکارو' میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا' جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں' ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔ یعنی جو اللہ سے دعا نہیں مانگتے وہ جہنم کے مستحق ٹھیریں گے۔ گویا دعا مانگنا عین عبادت ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جب تم مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس کی مہلت عمل کے بارے میں اس کا غم غلط کرو اور تسلی تشفی کی باتیں کرو' اگرچہ تمھاری ان باتوں سے قضا تو نہیں ٹل سکتی لیکن مریض خوشی ضرور محسوس کرے گا۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

ان ۱۲ دلائل کی روشنی میں زیر بحث مسئلے کا تشفی بخش جواب سامنے آتا ہے کہ کسی قسم کا لاعلاج مرض (terminally ill) یا انتہائی درجے کا درد (unbearable pain) ہو اور مریض کے ہوش و حواس قائم ہوں' یہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے کہ وہ خود اپنی موت کی کوشش کرے' یا کسی سے موت کے حصول کے لیے مدد کی درخواست کرے' اور یہی حکم اس کے رشتے داروں کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح کسی معاشرے اور حکومت کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اس امر کی حمایت میں کوئی قانون سازی کرے۔

اس بحث کے تسلسل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مریض بے ہوش ہو اور اس کا فیصلہ نہ جانا جا سکتا ہو تو کس حد تک انتظار کیا جائے؟ مصنوعی دوا یا خوراک کو کب تک جاری رکھا جائے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مریض کی دماغی موت واقع ہو چکی ہو۔ موت کیا ہے؟ اس کے معلوم کرنے کے طریقے کیا ہیں؟ اور اس کا حتمی فیصلہ کیسے کیا جائے؟ اس کی جسمانی زندگی برقرار رکھنے والا علاج جس میں خوراک' دوا اور تنفس کو برقرار رکھنے اور نہ رکھنے کا فیصلہ کس طرح کیا جائے' یہ سب امور قابل بحث ہیں۔